حبِّ رسولؐ ایمان کا جزء ہے

از افادات حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ
سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

حدیث شریف میں ارشاد ہے "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل میں والد اور ولد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

در اصل جب ہم اس بات پر نظر کرتے ہیں کہ والد اور ولد کی محبت طبعی اور غیر اختیاری ہے اور پیغمبرؐ کے ساتھ جو تعلق ہوگا خواہ آپ کی سنت کی نصرت کا ہو یا آپ کے احکام کی اطاعت کا ہو یا آپ کی شریعت سے دوسروں کے حملوں کی مدافعت کا وہ سب اختیاری ہے اس لئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کی اختیاری محبت والد اور ولد کی غیر اختیاری محبت پر کس طرح غالب آسکتی ہے۔ یہ ایک ایسا مرحلہ تھا کہ جس پر سننے والے کو تردد ہو سکتا تھا بلکہ ممکن تھا کہ انکار کی نوبت آجائے اسلئے اہمیت جتلانے کے لئے قسم کھا کر بیان کرتے، یا یوں کہہ لیجئے کہ معاملہ جس قدر اہم ہوتا ہے بیا کرنے والے کو اسی قدر بیان میں قوت پیدا کر پڑتی ہے کیونکہ اگر اہم معاملہ کو معمولی طور پر بیا جائے تو اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیا میں قسم کے ذریعہ زور پیدا فرما رہے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان۔

آپ کا بغیر کسی تاکید کے بھی بیان فرما دینا کے لئے پوری پوری تسلی اور تسکین کا باعث۔ کیونکہ یہ کسی عام انسان کا کلام نہیں ہے جس کے با میں کچھ تردد کی گنجائش ہو لیکن جب تاکید و قسم تو وزن اور بڑھ جائیگا۔ قسم بھی اپنی جان کی کھا رہے ہیں یعنی تم جانتے ہو کہ میرا نفس کتنا پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے اور کس قدر اوصاف حمیدہ کا حامل ہے

کس قدر افعالِ جمیلہ کا محرک ہے میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔

قسم کے الفاظ میں یدؔ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا ہے کہ یدؔ سے قوت مراد لینا خداوند قدوس کو معطل کر دینے کے مرادف ہے۔ یہ تاویلات حضراتِ متاخرین نے مجبوری کے درجہ میں کی ہیں جب یہ دیکھا کہ فلاسفہ کے اصول کو ہاتھ میں لے کر فرق باطلہ نے اسلام کے شفاف اصولوں پر اعتراضات کئے ہیں تو یہ ضرورت ہوئی کہ مسائل کو اسی رنگ میں سمجھایا جائے گویا مقصد منہ بند کرنا تھا ورنہ بات اپنی جگہ صاف ہے کہ خدا کے لئے ید ہے لیکن اس کی نوعیت مخلوقات کے ید سے مختلف ہے۔ جب مخلوقات ہی آپس میں بے انتہا مختلف ہیں، انسان و حیوانات میں فرق ہے چرند اور پرند کی وضع میں فرق ہے تو خالق کو مخلوقات پر قیاس کرنا یقیناً درست نہیں۔ خداوند قدوس کے متعلق یہ کہنا بھی انتہائی حماقت ہے کہ اس کے ہاتھ سونے اور چاندی کے ہیں دو انقص کا یہ کہنا بھی کفر ہے کہ وہ آدھا ٹھوس اور کھوکلا ہے اسی لئے سمع بصر اور دوسری تمام وہ چیزیں جس کو خداوند قدوس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے متشابہات میں سے ہیں[1] لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر۔

غرض یہاں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پوری تاکید کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ تمہارا ایمان میری گہری محبت پر موقوف ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت سے کونسی محبت مراد ہے۔ اس میں اکابر کے اقوال مختلف ہیں بعض بزرگوں کی تحقیق ہے کہ اس سے مراد محبتِ طبعی ہے کیونکہ حدیث میں والد اور ولد سے مقابلہ ڈالا گیا ہے جن کی محبت طبعی ہوتی ہے اس مقابلہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کی محبت بھی طبعی ہونی چاہئے اور آیت کریمہ میں بھی مقابلہ پر انھیں چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی طرف انسان کا میلان طبعی ہوتا ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

قل ان کان	آپ کہدیجئے کہ اگر تمہارے
اٰباءکم وابناءکم	باپ اور تمہارے بیٹے اور
واخوانکم وازواجکم	تمہارے بھائی اور تمہاری
وعشیرتکم واموال	بیبیاں اور تمہارا کنبہ
اقترفتموھا وتجارۃ	اور وہ مال جو تم نے کمائے
تخشون کسادھا	ہیں اور وہ تجارت جس
ومساکن ترضونھا	میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو
احب الیکم من	اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم
اللہ ورسولہ و	پسند کرتے ہو تم کو اللہ کے
جھاد فی سبیلہ	اور اس کے رسول سے اور
فتربصوا	اس کی راہ میں جہاد کرنے
(پ ۱۰ ع ۸)	سے پیارے ہوں تو تم منتظر رہو

یہاں آباء، ابناء، اخوان، ازواج، تجارت اموال وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے جن سے انسان کو طبعی تعلق ہوتا ہے اس لئے حدیث اور آیت شریفہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جس محبت کا مکلف بنایا گیا ہے وہ طبعی محبت ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال بھی اسی قسم کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ طبعی تعلق تھا۔

[1] عینی۔

[illegible] خیبر سے واپسی پر پیغمبر علیہ السلام اور حضرت
[illegible] عقد راستہ ہی میں ہوا تھا۔ ایک اونٹنی پر
ٹھوکر لگی اور آپ اونٹنی سے گر گئے اور
[illegible] بھی۔ حضرت ابوطلحہ رض نے جو اونٹنی پر
[illegible] جب یہ دیکھا کہ پیغمبر علیہ السلام گر گئے ہیں
[illegible] اپنے آپ کو اونٹنی سے گرا دیا یعنی نہ
[illegible] نے کا انتظار کیا اور نہ احتیاط کے ساتھ
[illegible] کی کوشش کی بلکہ پیغمبر علیہ السلام کو اس حالت
[illegible] کر اضطراری طور پر اپنے آپ کو نیچے پھینک
[illegible] خدمت ہوئے اور پوچھا حضور! کہیں چوٹ
[illegible] گی۔ آپ نے فرمایا صفیہ رض کو سنبھالو حضرت
[illegible] کا بیان ہے کہ میں منہ پر کپڑا ڈال کر آگے
[illegible] اور قریب پہونچ کر وہ نقاب حضرت صفیہ رض
[illegible] پر ڈال دیا اور سوار کرایا۔ اس والہانہ
[illegible] سے صحابہ کرام کی محبت کی نوعیت معلوم کی
[illegible] ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان
[illegible] احد کے موقع پر میرے والد حضرت عبداللہ
[illegible] وصیت کی کہ تم مجھے نفسِ پیغمبر علیہ السلام کے
[illegible] سے عزیز ہو اور میں سمجھ رہا ہوں کہ کل صبح
[illegible] میں شہید ہونگا، میرے اوپر قرض ہے
[illegible] کرتا ہوں کہ اسکی ادائیگی کی فکر کرنا
[illegible] بصراحت موجود ہے کہ تم مجھے سب سے
[illegible] عزیز ہو غیر نفسِ رسول اللہ۔
حضرت عمر رض نے عرض کیا حضور! آپکی محبت
دل میں والد اور ولد سے بہت زیادہ ہے
[illegible] اپنے نفس کی محبت اور بھی زیادہ پا رہا ہوں
[illegible] فرمایا عمر ابھی کمی باقی ہے۔ پھر حضرت عمر رض
[illegible] کیا اور کہا اب آپ کی محبت میرے دل
میں اپنے سے بھی زیادہ ہے، یہ سنکر آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الآن یا عمر

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ باغ یا کھیت
میں پانی دے رہے تھے کہ بیٹے نے پیغمبر علیہ السلام کے
وصال کی اطلاع دی فوراً آنکھیں بند کر لیں ا
بارگاہِ رب العالمین میں عرض کیا کہ اے خدا! میر
نے جن آنکھوں سے پیغمبر علیہ السلام کا جمال دیکھا ہ
اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں انھیں کسی دوسری
چیز کے لیے استعمال کرنا نہیں چاہتا مجھ سے میری
بصارت لے لے چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی۔

حضرت اویس قرنی کے متعلق مشہور ہے کہ جب
انھیں یہ اطلاع پہنچی کہ پیغمبر علیہ السلام کا دندان مبارک
شہید ہو گیا ہے تو انھوں نے اپنے تمام دانت توڑ
کیونکہ معین دندان مبارک معلوم نہیں ہو سکا تھا

ان تمام واقعات سے معلوم ہو رہا ہے کہ پیغمبر
علیہ السلام سے صحابہ کرام رض کو جو تعلق تھا وہ محبت
طبعی کے درجہ میں تھا بلکہ حبِ طبعی سے بھی کوئی اد
اونچا درجہ ہو تو وہ یہی ہو سکتا ہے۔

لیکن بعض دوسرے حضرات کا فیصلہ اس کے
خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ محبت کے مختلف درجات
ہیں۔ حبِ عقلی، حبِ طبعی، حبِ ایمانی (حبِ شرعی)
پھر حبِ ایمانی میں ایک درجہ حبِ عشقی کا ہے۔
حبِ طبعی ظاہر ہے کہ قطعاً غیر اختیاری چیز ہے
کسی شخص کو بھی غیر اختیاری شے کا مکلف نہیں
بنایا جا سکتا تکلیف ہمیشہ اختیاری امور پر دی
جاتی ہے اسلئے حب طبعی مراد نہیں لی جا سکتی ہا
حب عقلی کی گنجائش ہے حبِ عقلی کا مفہوم یہ ہے
کہ خواہ حکم طبعی طور پر گراں گزرے لیکن عقل
تقاضا ہے کہ تمام چیزوں پر اسی کو ترجیح دی جا

جیسا کہ مریض کو دوا سے طبعاً نفرت ہوتی ہے لیکن بروئے عقل وہ دوا کے استعمال پر مجبور ہے، ایک طرف باپ بیٹے کی محبت کا تقاضا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات خلافِ شرع کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور دوسری طرف شریعت کا فیصلہ ہے کہ اس میں تمہارا نقصان، تمہاری شریعت کا نقصان ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان طبعی رجحان کی طرف مائل ہوتا ہے یا عقل کے مانع آنے سے رک جاتا ہے اگر عقل کے روکنے سے باز آجاتا ہے تو مومن ہے ورنہ ایمان میں نقصان ہے۔

اور ایک حب ایمانی ہے یہ ان دونوں سے اوپر کی چیز ہے کہ اطاعت و فرماں برداری تا حد امکان عمل ہونی چاہیئے اس میں نہ نفع کی تمنا ہے اور نہ نقصان کی پرواہ۔ جب عقلی میں نفع و نقصان پر نظر ہوتی ہے حب ایمانی میں ایسا نہیں ہے پھر جب یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ نفع و نقصان کی پرواہ کئے بغیر فرامین پر عمل کیا جائے تو جس قدر اعمال میں ترقی ہوتی رہے گی اسی قدر ایمان میں ترقی ہوتی رہے گی حتیٰ کہ یہ حبِّ ایمانی، حبِّ عشقی میں تبدیل ہوجائے گی۔ جیسا کہ عاشق کی نگاہ میں محبوب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا اسی طرح اس مقام پر آکر انسان کی نظر میں بھی کچھ نہیں رہتا۔ اختیار محبوب کے ہاتھ میں ہے جس چیز سے روک دیا رک گئے اور جس چیز کا حکم دے دیا گیا عمل پیرا ہوگئے کیونکہ اس موقع پر آکر انسان کو اپنے وجود کا بھی احساس نہیں رہتا اس مقام پر پہونچ کر محبوب اگر یہ بھی کہدے کہ تم دور ہوجاؤ تو اس کو بھی اختیار کرلیتا ہے گو عشق کے ساتھ یہ دوری بہت مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن عشق کا ایک یہ بھی عالم ہے۔

ارید وصالہ و یرید ھجری
فاترک ما ارید لما یرید

کیونکہ اس مقام پر انسان کی اپنی خواہشیں فنا ہوچکی ہوتی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اس کی مثال موجود ہے آپ نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے سامنے نہ پڑا کرو چنانچہ حضرت وحشی رضہ کبھی سامنے نہیں آئے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ محبت غیر اختیاری طبعی تو نہیں ہوسکتی کیونکہ انسان غیر اختیاری شے کا مکلف نہیں ہوتا اب وہ محبت عقلی ہوگی یا ایمانی اس لئے محبت کا آغاز حبِّ عقلی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی اطاعت میں نفع اور معصیت میں ضرر ہے اور جب یہ حب عقلی ترقی کرتی ہے تو حب ایمانی بن جاتی ہے اور اس وقت نفع و نقصان پر نظر نہیں رہتی بلکہ انسان اس مقام پر صرف حکم دیکھتا ہے اور جب یہ حبّ ایمانی ترقی کرکے حبِّ عشقی کے درجہ میں پہونچ جاتی ہے تو محبوب کے علاوہ سب کچھ ختم ہوجاتا ہے۔ آیتِ شریفہ قل ان کان اباءکم وابناءکم واخوانکم الآیۃ سے حب طبعی معلوم ہوتی ہے اور واقعتاً اس کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں جیسا کہ یہ بعض اکابر کا فیصلہ ہے لیکن یہ معنی معین نہیں ہیں بلکہ دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ آیت میں چند مالوفات کا ذکر کیا گیا ہے کہ تم ان کی طرف راغب نہ ہوجانا، اس لئے ان معنی کی بھی گنجائش ہے، اگر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ حب رسول کے سلسلے میں مومن سے حب طبعی سے بھی کوئی اونچا درجہ مطلوب ہے جس کیلئے یہ سب کچھ قربان کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ جب تک

رگوں میں خون دوڑ رہا ہے اس پر آنچ نہ
، تلوار پڑے تو ہم پر پڑے ، تیر آئے تو نشانہ
ہیں جبکہ ماں باپ کی محبت بھی طبعی ہوتی ہے
حب جان پر بن آتی ہے تو انسان بسا اوقات
جانسپاری میں کوتاہی کرجاتا ہے ۔ حضرت جابرؓ
حضرت طلحہؓ، حضرت ابو دجانہؓ اور آپ کی آڑ میں
شہید ہو جانے والے دوسرے انصار کا عمل یہی
بتلا رہا ہے کہ ان کی محبت حبِ عشقی کے درجہ میں
جس کے مقابل حب ایمانی بھی ہیچ ہے ۔
مومنین میں رسول کے ساتھ محبت کے
مختلف درجات ہوتے ہیں کسی کی محبت حبِ عقلی
کے درجہ کی ہوتی ہے اور کسی کی حبِ ایمانی اور
عقلی کے مرتبہ کی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ
کو جانا تھا اسلئے آنحضورؐ نے حضرت عمرؓ کے
پیش کردہ خطرہ اور خدشہ کو صاف کردیا۔
درجات کا اختلاف اس طرح معلوم کیا جاسکتا
ہے کہ نابینا کو ترکِ جماعت کی اجازت ہے
حضرت عتبانؓ کو اجازت عنایت فرمادی
صرف اسلئے کہ وہ ضعیف البصر تھے اور جب حضرت
عبداللہ بن ام مکتوم نے اجازت طلب کی تو
فرمایا ھل تسمع الاذان کیا اذان کی آواز
آتی ہے ؟ عرض کیا ہاں آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا
پھر نہ آنے کی کیا بات ہے۔' حضرت عبداللہ کا
مقام یہ ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ فرماتے ۔
مرحبا بمن — مرحبا اس ذات کے لئے جسکے
عاتبنی ربی — بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب کیا
اس ارشاد میں عبس و تولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

بہرکیف محبت طبعی ہو یا ایمانی دیکھنا یہ
کہ پیغمبر علیہ السلام کی محبت سب سے زیادہ کیوں ؟
چاہیئے ، محبت کے معنی ہیں میلانِ نفس اور میلا
ہمیشہ پسندیدہ چیز کی جانب ہوا کرتا ہے ظاہر ہے
کہ عالم اسباب میں میلان اور جھکاؤ کے چند
اسباب ہوسکتے ہیں پہلے ان اسباب محبت کو
جائے اور پھر یہ دیکھا جائے کہ وہ اسباب آپؐ
اندر کامل ہیں یا دوسروں میں ۔
اگر وہ اسباب آپؐ کے اندر کامل و اکمل
تو قاعدہ کی رُو سے آپؐ کی محبت بھی سب سے زائد
چاہیئے ۔ وہ اسباب محبت چار ہیں ۔
جمالؔ ۔ کمالؔ ۔ قرابتؔ ۔ احسانؔ
جمال یعنی خوبصورتی یہ ظاہری بھی ہوتی ہے
اور باطنی بھی اسی باطنی خوبصورتی ہی کی دوسری
تعبیر کمال ہے ۔ یہ چاروں اسباب جالب محبت
ہیں ، ظاہری خوبصورتی یہ ہے کہ انسان خوب
اعضاء میں تناسب اور اعتدال ہو ، کوئی بات
ایسی نہ ہو کہ اس سے جمال میں نقصان معلوم
ہوتا ہو ۔
حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو محبوبیت
خداوندی کا درجہ حاصل ہے پھر چونکہ آپکو محبوب
کے لئے اس ذات نے منتخب کیا ہے جو خالق
اور محب جمال ہے اس لئے وہ تمام چیزیں جن
جمال متعلق ہوسکتا ہے آپؐ کے اندر بدرجۂ کمال
موجود ہونی چاہئیں ۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے
کے سلسلے میں بیان فرماتی ہیں کہ اندھیری رات
اگر سوئی کے اندر ڈورا ڈالنے کی ضرورت ہو تو

.آپ کے جسدِ اطہر سے قریب کیا اور ڈورا ڈال لیا
ں آپ کے جمال سے تاریکی دور ہو جاتی تھی اسی
رح فرماتی ہیں کہ اگر کوئی چیز گم ہو جاتی تھی اور اندھیرے
ے باعث ہاتھ نہ آتی تھی تو پیغمبرؐ کے دستِ مبارک
ا روشنی میں اسے ڈھونڈھ لیا جاتا تھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ چودھویں رات میں کبھی چہرے پر نظر ڈالتا ہوں
ور کبھی چاند پر اور قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں
، جو جمال پیغمبر علیہ السلام کے چہرۂ انور میں نظر آیا چاند
یں نہ تھا، اپنے جمال کے سلسلے میں خود آنحضور
ملی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اخی یوسف اصبح — میرے بھائی یوسفؑ مجھ
وانا املح منہ — سے زیادہ صبیح ہیں اور میں
ان سے زیادہ ملیح ہوں۔

صباحت بہت اچھی چیز ہے اگر نظر پڑ جائے
جم جاتی ہے لیکن اگر ملاحت نہ ہو تو حسن میں کچھ
بیکا پن معلوم ہوتا ہے۔ محبوبیت کے لئے صباحت
سے زیادہ ملاحت درکار رہے اور ظاہر ہے کہ خوبصورت
انسان سب کے نزدیک محبوب ہوتا ہے یہ حسن پرستی
رف انسان ہی میں نہیں بلکہ اس وصف میں حیوانات
ی انسان کے سہیم و شریک ہیں۔ ایک پرندہ ہے
ارو، جسے چکور کہتے ہیں چاند پر عاشق ہوتا ہے
دھر چاند نکلا اور ادھر اس نے رقص شروع کیا
ور چونکہ چاند تک رسائی ممکن نہیں ہے اس لئے
اندنی میں لوٹتا رہتا ہے۔

اسی طرح بلبل پھول پر جان دیتی ہے اور
رف حیوانات ہی نہیں بلکہ یہ حسن پرستی کا مادہ درختوں
ں بھی پایا جاتا ہے۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ حسین
دمی کو لپٹ جاتے ہیں۔

اس حسن پرستی کے سلسلہ میں انسان کو تو دیکھئے
حجۃ الوداع کا واقعہ ہے حضرت فضلؓ بن عباس بڑے
حسین تھے حجۃ الوداع میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی سواری پر ردیف تھے[1] قبیلۂ خثعم کی ایک عورت
آئی اور باپ کے متعلق سوال کیا کہ وہ اس قدر
ضعیف العمر ہیں کہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتے ان پر حج
فرض ہو چکا ہے کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کرا دوں
یا کر دوں۔

مسئلہ اپنی جگہ آئیگا یہاں تو یہ بتلانا ہے
کہ ادھر فضل بن عباسؓ ہیں اور ادھر قبیلۂ خثعم کی وہ
حسین عورت، دونوں کی نظر ایک دوسرے پر
جم گئی اور یہ صرف حسن کی کشش کا نتیجہ ہے جو قطعاً
غیر اختیاری چیز ہے، آپ نے حضرت فضل کا منہ پھیر دیا
گو آپ کی موجودگی میں کوئی خطرہ نہ تھا لیکن صرف
اس لئے ایسا کیا کہ حسن میں کشش ہوتی ہے مبادا کوئی اثر
ہو جائے۔ قرآن کریم میں بھی حسن کے اعجاب اور کشش
کے لئے شہادت موجود ہے۔ ارشاد ہے

لا یحل لک النساء من	ان کے علاوہ اور عورتیں
بعد ولا ان تبدل بھن	آپ کے لئے حلال نہیں اور
من ازواج ولو اعجبک	نہ یہ درست ہے کہ آپ ان
حسنھن الا ما ملکت	بیبیوں کی جگہ دوسری
یمینک	بدلیں اگرچہ آپ کو ان کا
(پ ۲۲ ع ۳)	حسن اچھا معلوم ہو مگر جو
	آپکی مملوکہ ہو۔

آیت کریمہ میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے
متعلق ارشاد ہے کہ خواہ آپکو ان کا حسن تعجب میں
ڈالدے۔ معلوم ہوا کہ حسن میں غیر معمولی کشش ہوتی ہے

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ باب الرکوب والارتداف۔

[illegible] حسن میں کشش اور اس کا تقاضا محبت ہے [illegible] علیہ السلام کی ذات گرامی میں سب سے زیادہ کشش [illegible] ہے کیونکہ آپ کی ذات گرامی میں جمال کے [illegible] کی ہر چیز بدرجۂ اتم موجود ہے

دوسرا سبب محبت، کمال یعنی جمالِ باطنی ہے ظاہر ہے کہ جب کسی شخص میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق جمع ہوتے ہیں تو وہ اپنے اخلاق سے دوسروں کو مسخر کر لیتا ہے بڑے بڑے سرکش اس کی خوش اخلاقی سے پانی ہو جاتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کو حسن ظاہری کے ساتھ حسن باطنی بھی کامل طور پر عطا کیا گیا تھا اور جس شخص میں کمال ہوتا ہے وہ سب کے نزدیک محبوب ہوتا ہے۔

ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ صورت و شکل کی خامی کے باوجود صرف کمال کی وجہ سے انھیں محبوب سمجھا گیا بلکہ بسا اوقات انھیں سلاطین پر بھی ترجیح دی گئی۔ آپ کی ذاتِ اقدس میں تمام انسانی کمالات بدرجۂ اتم موجود تھے آپ نے فرمایا ہے،

انا سید ولد آدم و	میں اولادِ آدم کا سردار ہوں
لا فخر	اور کوئی فخر نہیں۔

آپ کی شانِ سیادت سب سے نمایاں ہے اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا تھا کہ جب آپ ظاہر ہوں تو ان کا اتباع کرنا،

ارشاد ہے:-

و اذ اخذ الله میثاق	اور جب عہد لیا اللہ تعالےٰ
النبیین لما اتیتکم	نے انبیاء سے کہ جو کچھ میں
من کتاب و حکمة	تم کو کتاب اور علم دوں پھر
ثم جاءکم رسول	تمھارے پاس کوئی پیغمبر آوے
مصدق لما معکم	جو مصدق ہو اس کا جو تمھارے
لتؤمنن به و	پاس ہے تو تم اس رسول

لتنصرنه	پر اعتقاد بھی لانا اور اس
(پ۳ ع ۱۶)	طرفداری بھی کرنا۔

اور کمالات میں اصل کمال کمال علمی ہے اور کمالِ عملی بھی اسی کمال علمی کا نتیجہ ہے۔ پیغمبر ؑ کا ارشاد ہے اوتیت علم الاولین والآخرین یعنی جو علوم سابق میں تھے وہ سب میرے پاس ہیں اور [illegible] میرے مخصوص علوم ہیں وہ کسی کے پاس نہیں۔ اسی کمالِ علمی کے باعث حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت دی گئی تھی اسی کمالِ علمی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر الیوم اکملت لکم دینکم کے اعلان کے ساتھ اس کا اتمام کر دیا گیا۔

پھر اگر کمال میں تسخیر کی قوت ہے اور باکمال انسان کے لئے دنیا خم ہو جاتی ہے تو پیغمبر علیہ السلام کا کمال تو بہت بلند ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے کمالات کو اگر دنیا کے تمام کمالات کے ساتھ وزن کیا جائے تو دنیا کے یہ تمام کمالات اس قدر ہیچ نظر آئیں کہ بیان کے لئے بھی کوئی نسبت نہ مل سکے۔

اسی طرح محبت کے تیسرے سبب یعنی قرابت کو لے لیجئے، پیغمبر علیہ السلام اس اعتبار سے بھی بہت زیادہ لائقِ تعظیم و محبت ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

النبی اولیٰ بالمومنین	نبی مومنین کے ساتھ
من انفسهم	ان کے نفس سے بھی زیادہ
(پ۲۱ ع ۷)	تعلق رکھتے ہیں۔

اس سے زائد اور کیا قرب ہو گا کہ آپ روحانی باپ ہیں، ارشاد ہے:-

و ازواجه امهاتهم	اور آپ کی بیبیاں ان کی
پ ۲۱ ع ۱۷	مائیں ہیں۔

جب ازواج مطہرات امہات ہیں تو آپ

باپ ہوں گے چنانچہ شاذ قرأت میں وھو ابوھم بھی موجود ہے۔ جسمانی باپ تخلیق کا واسطہ ہوتا ہے لیکن کمالات روحانیوں کے پیدا کرنے میں جسمانی باپ کا کوئی دخل نہیں ہوتا یہ آپ ہی کی تعلیمات کا ثمرہ ہیں جو بالواسطہ حاصل ہوئی ہیں اسلئے روحانیت کے سلسلے میں ابوّت کا مقام صرف آپ کو حاصل ہے۔

اور روحانی نسبت بھی مختلف طرح کی ہوتی ہے استاد کی، شیخ طریقت اور ہادی کی۔ ان سب نسبتوں میں روحانی ابوّت موجود ہے ایک استاد کا بھی احترام اسی لئے ہے کہ وہ روحانی باپ ہے علوم اسی کے واسطے سے ملتے ہیں، باپ اگر جاہل ہو تو اس کا یہ مقام نہیں ہے۔ پھر استاد کے بعد شیخ طریقت کا درجہ ہے جس کی توجہات نے روحانیت بخشی اور ان علوم میں جان پڑ گئی جن کا استاد نے فاضہ کیا تھا۔ اسلئے شیخ کا درجہ استاد سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ جب جسمانی باپ کو بیٹے کے منقولہ اموال میں تصرف کا حق ہے بلکہ وہ بیٹے کے انکار کے علی الرغم بھی تصرف کر سکتا ہے جب جسمانی باپ کے یہ حقوق ہیں تو وہ ذات گرامی جس نے انسانیت سے ہم کنار کیا، روحانیت کی تعلیم دی یقیناً ان حقوق کی بہت زیادہ مستحق ہے۔

چوتھا سبب محبت احسان ہے۔ انسان اپنے محسن کا فرماں بردار ہوتا ہے

الانسان عبید الاحسان۔ انسان احسان کا بندہ ہے مشہور اور مسلّم مقولہ ہے۔

عمرۂ حدیبیہ کے وقعہ پر جب صلح کی گفتگو ہو رہی تھی مغیرہ بن شعبہ رض تلوار سونتے کھڑے تھے گفتگو کرنے والا ادھر اُدھر نظر ڈال کے کہتا ہے

کہ یہ لوگ جو پیغمبر کے اردگرد جمع ہوگئے ہیں ان کے بہی خواہ نہیں ہاں کچھ اغراض وابستہ ہیں، ذرا مصیبت آئی اور یہ بھاگے

حضرت ابوبکر صدیق رض کو یہ سنکر جلال آگیا اور بہت گرم اور سخت الفاظ استعمال کئے۔ وہ شخص پوچھتا ہے یہ کون ہیں؟ کہا جاتا ہے ابوبکر ہیں، جواب میں کہتا ہے ابوبکر آپ کے مجھ پر احسانات ہیں ورنہ میں جواب دیتا۔ یعنی صرف احسان کی وجہ سے زبان روک لی۔ اور صرف انسان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ حیوانات بھی احسان کی وجہ سے جھکے گئے ہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے کیا احسانات ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام مخلوقات پر آپ کا سب سے پہلا اور سب سے عظیم احسان یہ ہے کہ سب کا وجود آپ ہی کے وجود کا فیض ہے اور تمام احسانات تو بعد کے ہیں سب سے پہلی چیز تو وجود ہے جو آپکی وساطت سے ملا ہے باقی تمام انعامات بھی آپکی وساطت سے ملتے ہیں

انما انا قاسم واللہ یعطی

میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے

یعنی تمام انعامات کی تقسیم آپ کے واسطے سے ہوتی ہے حتیٰ کہ نبوت کی تقسیم بھی آپ ہی کی وساطت سے ہوئی۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

انی عبد اللہ لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ (مسند احمد ص ۱۲۷)

میں عبد اللہ خاتم النبیین ہوں جبکہ

آدم ابھی مٹی ہی میں تھے۔

…ر احسانات کی کوئی انتہا نہیں ہے
آپ نے ہدایتِ امت کے سلسلے میں
…جان کاہیوں کا سامنا کیا جس وقت
…مبعوث ہوئے اس وقت کی عمومی حالت
…یت ابتر تھی۔ آیتِ کریمہ ملاحظہ ہو۔

…علیٰ شفا حفرة	اور تم دوزخ کے
…من النار فانقذکم	گڑھے کے کنارے
…ـا (الاٰیۃ)	پہنچے سو اس سے
	اللہ نے تمہاری
	جان بچائی۔

❖ ❖ ❖

ایک جگہ ارشاد ہے کہ میری اور تمہاری
…ـال ایسی ہے کہ تم جہنم کے کنارے پر ہو
…ور میں تمہیں بچانے کی فکر میں ہوں۔
…د بحجزکم کے الفاظ آتے ہیں۔ یہ
…بتا رہا ہے کہ قربانیاں دے کر بچایا
اسی لئے تو ہرقل نے کہا تھا کہ اگرچہ
…ہے معلوم تھا کہ پیغمبر آنے والے ہیں لیکن
…کا گمان بھی تھا کہ وہ تم میں آئیں گے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جب
…م فارس کے سامنے پچاس ہزار کی جمعیت
…بیان دیا تھا وہ بھی اس سلسلے میں دیکھنے
…کے ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

ہم سب سے زیادہ ذلیل تھے، ہم
مردار کھاتے تھے، غربت کی وجہ سے
مردہ جانور اور درختوں کی چھالوں
کو کھا جاتے تھے، ہم نے پتھروں کو
معبود بنا لیا تھا لیکن اللہ نے ہمارے
اندر اپنا پیغمبر پیدا کیا، جس کے حسب

نسب اور کردار سے ہم پورے طور
پر باخبر تھے۔ ہم نے پہلے اسے پرکھا
اور پھر اس پر ایمان لے آئے اس
نے ہمیں یہ بتلایا کہ اگر ہم اس کے
کہنے پر عمل کریں گے تو ہمیں دنیا اور
آخرت کی سرداری حاصل ہو گی۔

اور ہوا بھی ایسا ہی کہ دنیا اور آخر…
دونوں بنا لیں، دنیا کی تمام سلطنتوں کو با…
بنا لیا ایک غیر مہذب قوم کو دنیا کا مودب
معلم بنا دیا۔ یہ تھی دنیاوی حکومت کی شان ا…
معاملہ تو خداوند قدوس کا قرب سب سے بڑی …
ہے جو اس امت کو حاصل ہے سب سے پہلے یہ امت …
سے گذرے گی سب سے پہلے داخلِ جنت ہو گی اور …
کی ایک سو بیس صفوں میں اَسّی صفیں اسی امت …

یہ ایسی خصوصیات ہیں کہ جن میں کوئی امت …
شریک نہیں ہے، پھر اگر احسان میں کشش ہے …
الانسان عبید الاحسان صحیح ہے تو …
پیغمبر علیہ السلام کی ذات میں سب سے ز…
کشش موجود ہے۔ اور آپ تمام لوگوں
سے زیادہ محبت کے لائق ہیں۔

اس توضیح کی روشنی میں یہ بات …
ہو گئی کہ تعلق اور محبت کے لئے اس عالم
کُل میں جس قدر بھی وجہیں ہو سکتی ہیں
آپ کی ذات والا صفات میں بدرجۂ کمال …
ہیں اس لئے آپ کے ساتھ محبت کا وہ عا…
ہونا چاہیئے جو کسی اور انسان یا مخلوق کے …
نہ ہو۔

فقہ حنفی کی مقبولیت

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر
شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

تاریخ اسلام اس بارے کے لئے کافی ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی معتد بہ اکثریت امام ابوحنیفہ رح کے فقہ کی دلدادہ رہی ہے بعض حضرات نے اس کی وجہ تو صرف یہی بتائی ہے کہ چونکہ امام ابویوسف رح اور اس قسم کے دیگر اکابر حنفیہ اسلامی حکومتوں میں قاضی القضاۃ تھے لہذا ان کی ترغیب یا بالفاظ دیگر اثر و رسوخ اور کنبہ پروری کی وجہ سے فقہ حنفی مقبول ہوئی ہے جیسا کہ بہت سے غیر مقلدین حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ رح کے ایک حوالہ پر حواشی در حواشی لگا کر اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ پہلے تو یہ بات بھی نہایت قابل غور و فکر ہے کہ اکثر مسلمان اور عادل بادشاہ (جو اگرچہ خلفاء راشدین کی مد میں تو شمار نہیں کئے جا سکتے مگر ان کی اسلام دوستی بھی شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے) کیوں فقہ حنفی کے قبول کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے کوشاں و مجبور تھے۔؟ اگر آئے دن نت نئے حوادث و نوازل اور احکام و مسائل میں بغیر فقہ کے ان کو کوئی صحیح حل نظر آتا یا فقہ حنفی کے بغیر کسی اور امام کی فقہ میں ان کے لئے تشفی کا کوئی سامان موجود ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے دامن میں کیوں پناہ لیتے؟ اور اس کے گرویدہ و دلدادہ کیوں ہوتے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی ترقی رفتار کے ساتھ ساتھ نئی نئی مشکلات کو غیر فقیہ بوریا نشین مولوی اور زاویۂ خمول میں تصوف کی ضربیں لگانے والا عالم صوفی اور ہر پیش آمدہ نئے حادثہ اور مسئلہ کو صریح الفاظ حدیث میں تلاش کرنے والا محض سادہ لوح محدث کیا جانے؟ وقت کے جدید تقاضوں اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و حدیث کی صحیح روشنی میں حل کرنے کا صرف وہی اہل ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ دین کے پیش کردہ اصول و ضوابط کے تحت ہر نئے مسئلے کا حل تلاش کر سکے اور اپنے غور و اجتہاد سے اس نازک گتھی کو سلجھا سکے۔ اور جو